احساس تھا۔ ان کی کیف آور تقریریں لاکھوں انسانوں نے سنیں اور ان سے اثر قبول کیا مگر آج باسی واہ واہ کے سوا ان کی یاد بہت کم موجود ہے۔ تقریر کے محدود اثر کو محسوس کر کے ہی مرحوم نے اپنی عملی زندگی کے اوائل ایام سے اپنی نوکِ قلم کو جنبش دی اور یلوح الخط فی القرطاس دھرًا یعنی تحریر کا غذ پر مدتوں تک تابانی دکھاتی ہے کے پیشِ نظر اپنی پہلی جیل کی یاد کو " دنیا میں دوزخ " کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

بہت سے قیدی جیلوں سے ہو آئے لیکن ان کی زندگی کے حالات اور ان حالات سے جو جو سبق حاصل ہو سکتے ہیں وہ اِدھر اُدھر کی زبانی باتوں کے سوا کسی وسیع پیمانہ پر موجودہ اور آئندہ نسلوں کے باعثِ نصیحت وعبرت نہیں بن سکتے مرحوم نے نہ فقط خود اپنے قلم کو ہلایا بلکہ انہوں نے اپنے رفقاء سے بھی ہمیشہ تاکید کی کہ وہ زبان کے ساتھ یا اس کے بجائے قلم کو اپنا رفیقِ کار بنائیں تو پائیدار اور وسیع نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے رفاقتِ قلم کو بسترِ علالت پر بھی بہت کم جواب دیا اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں خاص محنت سے اپنے خیالات کا آئینہ دنیا کے لیے مہیا کر دیا۔

آج افضل حق کی تقریر سننے کے لئے دنیا نہیں آتی اور کبھی نہیں آئے گی۔ لیکن جدھر جاؤ ان کے سپردِ قلم کئے ہوئے فقرے جو ان کی محنت سے کاغذ تک پہنچے، آج ان کے قارئین کی محنت سے ان کے عقیدت مندوں کا جوہرِ زبان بنتے ہیں اور بسا اوقات یہ جوہر پھر رحمت بے حساب بن کر سامعین کے کانوں کو کان گیر بنا دیتے ہیں لوگ ان کے فقروں کو دوسروں کی زبان سے سنتے ہیں اور وجد میں سر دھنتے ہیں۔

خطابت کا دور زبان کے رکنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر کتابت کا دور لہ بانوں کو وراثت میں ملتا ہے اور ہر کوئی اپنے زور کتابت سے قوام کر کے خیالات کے دائرے کو وسیع تر کرنے کا موقع پاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ افضل حق کی موت کو یاد کرنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں تو ان کی زبان پر بے ساختہ

"افضل حق زندہ باد کا نعرہ آجاتا ہے"

علامہ انور صابری

فقیر عالی وقار

حیاتِ افضل حق کو پڑھ کے انور یہ راز سمجھا دماغ میرا
زعیم فطرت شکار بھی تھا ادیب جادو نگار بھی تھا
دلِ و جگر کی حرارتوں میں حرارتِ قلب زندگی تھی
فقیر عالی وقار بھی تھا غریب کا غمگسار بھی تھا